میں ہمیشہ کوشش کرتا ہوں کہ جہاں جاؤں، صاحبان علم سے خاص طور علم کی خیرات ضرور حاصل کروں، یہی توشہ آخرت ہے۔ مولانا نجم الحق صاحب نے بتایا کہ دار الحدیث حدیث کے عقب میں شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق صاحب رہائش پزیر ہیں۔ مولانا تقریباً ساٹھ برس سے جامعہ خیر المدارس میں پڑھا رہے ہیں۔ ان کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ انہوں نے یہیں سے تعلیم حاصل کی اور پھر تدریس بھی یہاں ہی کی۔ ملاقات کی خواہش کی تو انہوں نے طلب فرمایا۔ مولانا منظور احمد صاحب، اقبال بالاکوٹی صاحب، مولانا نجم الحق صاحب کے فرزند عدا س نجم صاحب، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کے ڈپٹی ڈائریکٹر ناصر فرید صاحب، ہم سب ان کی خدمت میں اکٹھے حاضر ہوئے۔ ان کے پاس بیٹھے، کئی باتیں کی۔ انہوں نے زمانہ طالب علمی کے قصے سنائے۔ میں نے ان سے مدرسے کی خوبصورت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ''حضرت آپ ضرور خیر المدارس کے رومانوی ماحول کا شکار ہوئے ہیں جو یہاں سے گئے نہیں۔ کندھے پر تھپکی دی اور ہنس پڑے۔

میری خواہش پر حصول برکت کے لیے انہوں نے بخاری شریف کتاب الایمان سے دو احادیث پڑھائیں۔ اصرار کے ساتھ چائے پلائی۔ مجھے لگا کہ ان کا کمرہ محبتوں کا ایک حصار تھا جہاں سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا! جی ہاں یہ وہی کمرہ تھا جہاں صبح وشام رسول اللہ کی باتیں ہوتی تھیں، اس سادہ سے کمرے میں اتنا سکون تھا کہ اگر اسے تقسیم کیا جائے تو پورے ملتان میں بٹ جائے، لیکن ہم جیسے دماغ کے سودوں کو دل کے سودوں پر ترجیح دے دیتے ہیں اور ساری زندگی خسارے میں گذارتے ہیں۔

فرمایا: پاکستان مسجد کی طرح مقدس ہے. اس میں کسی قسم کا انتشار اور تفرقہ پھیلانا خود اپنے وجود کو عذاب میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ پھر پاکستان کے حوالے سے اپنا رقم کردہ ایک کتابچہ دیا۔ (جامعہ خیر المدارس کے منتظمین کو چاہیے کہ وہ اس کتابچے کو کثیر تعداد میں شائع کروا کے تقسیم کروائیں۔) نصف گھنٹہ سے زیادہ ان کی صحبت میسر رہی۔ ان سے دعاؤں کی درخواست کی تو انہوں نے محبت سے بارگاہ خداوندی میں ہاتھ اٹھا کر ہمارے لیے دعا کی اور مجھے وہ قبول ہوتی نظر آنے لگی۔ ہم نے دست بوسی کی سعادت حاصل کی، انہوں نے سر پہ اپنا ہاتھ پھیرا اور ہم باہر چلے آئے۔ میں اس جگہ حاصل ہونے والے سکون کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔

آج صبح جاگا تو موبائل پر پیغام تھا کہ یادگار اسلاف، استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق صاحب اس عارضی دنیا کو اپنے علم وعرفان سے مہکانے کے بعد الوداع ہو چکے ہیں۔ ذہن میں اتنا سا خیال آیا کہ جانا تو سب نے ہے، لیکن کاش ان کے جانے سے پہلے ایک ملاقات اور ہو جاتی۔ ان کے جنازے میں پورا شہر امڈ آیا تھا۔ نہ کوئی عہدہ اور نہ سلطنت، صدیق کی صداقت کی گواہی ملتان کی سوگوار فضا، آہیں اور سسکیاں دے رہی تھیں۔

برادر مولانا عبد القدوس محمدی صاحب نے لکھا کہ ان کے جانے کے بعد ہم دعاؤں کے ایک اور دَر سے محروم ہو گئے۔ واقعی اتنی بے لوث اور محبت بھری دعائیں اور کون دے سکتا ہے۔ اللہ حضرت کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے متعلقین اور اقربا کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(سبوخ سید)

محمد سلیمان کھوکھر ایڈووکیٹ

بابائے سوشلزم

یادش بخیر! ایک شیخ رشید ہوا کرتے تھے، بابائے سوشلزم۔ پہلے "آزاد پاکستان پارٹی" میں تھے۔ جب ذوالفقار علی بھٹو نے پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی تو اس کے بانی رکن بنے۔ تب لوگ پیپلز پارٹی کو ایک مزاحیہ فلم سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ شیخ صاحب مرحوم سوشلزم کا درس پہ درس دیتے رہتے۔ مگر کم علم اور ان پڑھ لوگوں کو کیا پتہ کہ سوشلزم کیا ہوتا ہے۔ استحصال کسے کہتے ہیں۔ اضافی پیداوار و آلات پر کسی کا حق ہونا چاہیے۔ انہیں تو بس ذوالفقار علی بھٹو نے مسحور کر رکھا تھا۔ ایسا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا کہ کسی کو سوشلزم کا پتہ وتہ کچھ نہیں تھا۔ پیپلز پارٹی کا مطلب ذوالفقار علی بھٹو اور بس بھٹو تھا۔ ۱۹۷۰ء میں جب عام انتخابات کا اعلان ہوا تو لوگ دنگ رہ گئے کہ پیپلز پارٹی نے پنجاب اور سندھ میں کس طرح جھاڑو پھیر کر مغربی پاکستان میں اتنی بڑی اکثریت حاصل کر لی ہے، حالانکہ جماعت اسلامی ان انتخابات کے نتیجے میں اپنی آنے والی حکومت کی کابینہ بھی مکمل کر چکی تھی۔ مگر اس کے میاں طفیل محمد صاحب کو شیخ رشید نے چاروں شانے چت کر دیا۔ اور ذوالفقار علی بھٹو کے وزیر اعظم بننے کے بعد وہ ان کی کابینہ میں وزیر صحت مقرر کیے گئے۔

پیپلز پارٹی نے جہاں آئین بنایا، وہاں دیگر معاملات میں بھی بہت قانون سازی کی جن میں ایک شاہکار کارنامہ دوائیوں کا "جنرک" نام بھی تھا۔ یعنی اگر ایک کمپنی کوئی دوائی بناتی ہے اور اُسے اپنے نام سے اگر دس روپے میں فروخت کرتی تو "جنرک" نام کی بدولت اسی فارمولے کا استعمال کرتے ہوئے کمپنی کے نام کی بجائے دوائی ایک یا دو روپے کی ہوتی۔ کمپنیوں کی لوٹ مار ختم ہوگئی۔ کمپنیوں کے سرمایہ دار مالکان نے بہت شور کیا مگر جس قانون کو عوام کی تائید حاصل ہو، بھلا وہ کب ختم ہوتا ہے۔ ۱۹۷۶ء میں پیپلز پارٹی نے "ڈرگ ایکٹ" پارلیمنٹ سے منظور کروا کے نافذ کیا۔ قیام پاکستان کے بعد جو چند قوانین عوامی فلاح و بہبود کے لیے بنائے گئے، ان میں یہ ایکٹ بڑا اہم اور جامع ہے۔ ۷۷ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمے کے بعد جب ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالا تو جہاں ہیروئین کے سوداگروں، ناجائز اسلحہ کے بیوپاریوں، لاکھوں شر پسند افغانیوں اور علمائے سو کی موجیں لگ گئیں، وہیں مالکان کی بھی، خواہ ومکانوں اور دکانوں کے تھے یا دواساز کمپنیوں کے، خوب سنی گئی۔ دوائیوں کی قیمتیں دن بدن بڑھنا شروع ہو گئیں۔ اور اُس کے بعد پھر آج تک رکنے کا نام نہیں لے رہیں۔ دواساز کمپنیوں کے مالکان نے اب اطمنان سے اپنا اگلا وار کیا اور جعلی دوائیاں بنا بنا کر لاہور کی شاہ عالم مارکیٹ اور پاپڑ منڈی کو ایشیا کی سب سے بڑی مارکیٹ بنا دیا۔ یہ ایک دلچسپ واقعہ بھی ہے اور المیہ بھی

کہ پنجاب کے ایک گورنر چوہدری الطاف حسین مرحوم جب دل کے علاج کے لیے امریکہ گئے تو ہسپتال میں جب ان کے زیر استعمال دوائیوں کا لیبارٹری میں معائنہ کیا گیا تو انکشاف ہوا کہ گورنر صاحب کو جو دوائیاں سپلائی کی جاتی تھیں، وہ تو جعلی تھیں۔ اس جعلی اور اصلی کے چکر میں ہی گورنر الطاف دل کی بازی ہار کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

پرویز الٰہی کی وزارت اعلیٰ کے دور میں محکمہ صحت کی جانب بڑی توجہ دی گئی۔ پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی کے علاوہ صوبہ بھر میں وکلاء صاحبان کا علاج آدھے سے بھی کم خرچے پر ہوتا تھا۔ عام آدمی کو مفت اور معیاری دوائیاں اور ٹیسٹ دستیاب تو تھے ہی، مگر 1122 بنا کر خلق خدا کر ہمیشہ کے لیے اپنا ممدوح بنا لیا۔ انتخابات میں فتح وشکست اصلاحات کی بنا پر تھوڑی ہوتی ہے، یہ تو ایک طرح کی MANGEMENT ہوتی ہے جو بساط بچھا کر عالمی طاقتیں پاکستان میں کھیل رچاتی ہیں اور یہ بساط الٹا بھی دیتی ہیں۔ پھر دنیا کے چند امیر ترین لوگوں میں شامل ایک "خادم" پنجاب کا وزیر اعلیٰ بنا تو اس کی برادری کے لوگوں کی بھی سنی گئی۔ وہ بھی نیچے سے نے نکل کر اوپر آ گئے اور پارلیمنٹ سمیت نوکر شاہی اور دیگر اداروں پر قبضہ کر لیا جو تا حال جاری ہے۔ پہلے پہل تو لوگوں کو اس سے نجات کی کوئی توقع تھی، مگر گزشتہ دنوں اخبارات میں چھپنے والی ایک تصویر نے ان کے ارمانوں کا خون کر دیا اور وہ مایوسی کی اندھیر نگری میں چلے گئے۔

اس وقت جعلی، زائد المیعاد، بلا وجہ مہنگی اور غیر ملکی موت بانٹنے والی جعلی دوائیوں سے گوداموں کے گودام بھرے پڑے ہیں۔ کوئی گلی ایسی نہیں جس کی نکڑ پر یہ مکروہ دھندا نہ ہو رہا ہو۔ ایسے بھی کئی ہنر مند ہیں جو ایسی جنسی دوائیوں کی ہوم ڈیلیوری بھی کرتے ہیں۔ آپ نے کبھی غور کیا کہ اسپتالوں کے اردگرد میڈیکل سٹور اور لیبارٹریاں کیوں اتنی زیادہ ہوتی ہیں؟ اس لیے کہ لوگوں کو ہسپتالوں سے مفت دوائی اور ٹیسٹ دستیاب نہیں۔ محکمہ صحت میں ایک افسر ہوتا ہے جسے "ڈرگ انسپکٹر" کہا جاتا ہے جو دودھ کے دھلے تو ہرگز نہیں ہوتے، پھر بھی کوئی نہ کوئی دیانتدار انسپکٹر قسم توڑنے کے لیے ہی سہی، ان سٹوروں، عطائیوں اور لیبارٹریوں پر چھاپے مار ہی لیتا ہے۔ کچھ ایسے ہیں جو کبھی نہ کبھی کچھ کارکردگی دکھانے کے لیے ہی سہی کاروائی کرتے ہیں اور کیس درج کر کے متعلقہ اتھارٹی یعنی DCO کو ارسال کر دیتے ہیں۔ یہیں سے اصل برائی شروع ہوتی ہے۔ جب کیس DCO کے پاس جاتا ہے تو موت کے سوداگر عوامی نمائندے فون کرتے ہیں اور DCO موت بانٹنے والوں کو چائے پلائے بغیر دفتر سے نہیں جانے دیتا اور کام بھی کر دیتا ہے۔

آج ان حالات میں قدم قدم پر بابائے سوشلزم شیخ رشید مرحوم کی بہت یاد آتی ہے۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو معاشروں کی تقدیر بدل دیتے ہیں۔ اللہ کروٹ کروٹ انہیں جنت نصیب کرے۔ ان سے آخری ملاقات نیویارک میں ہوئی تھی جہاں امریکہ کے سابق اٹارنی جنرل رمزے کلارک کے انسانی حقوق کے ایک بڑے عالمی پروگرام میں وہ مہمان خصوصی کے طور پر شریک ہوئے اور ایک عالم کو اپنے خیالات کا قائل کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔